قصص القرآن سے فقہی احکام کا استنباط

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن حکیم میں گذشتہ قوموں کے جو واقعات اور قصے لوگوں کی عبرت و بصیرت کے لیے بیان فرمائے گئے ہیں۔ وہ فقہی احکام و مسائل سے عاری ہیں۔ اس خیال کو اس روایت سے مزید تائید و تقویت حاصل ہوئی۔ جو عام طور پر فقہی احکام کی آیات کے متعلق بیان کی جاتی ہے اور جس کی رُو سے چھ ہزار دو سو اٹھارہ آیات میں سے فقہی احکام و مسائل سے متعلق آیات کی تعداد فقط پانچ سو ہے [۱] گویا قرآن مجید کی باقی آیات احکام و مسائل سے خالی ہیں۔

اس غلط فہمی کو اس سے مزید تقویت ملی، کہ فقہی احکام پر مرتب کی جانے والی کتابوں (احکام القرآن) میں بھی زیادہ تر قصص القرآن والی آیات کو نظر انداز کیا گیا ہے اور صرف انہی آیات پر توجہ مبذول کی گئی ہے۔ جن میں صراحت کے ساتھ کوئی حکم مذکور ہوا ہے۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض بنیادی احکام و مسائل کے استنباط کے لیے ہمیں احادیث۔ اجماع یا قیاس کا سہارا لینا پڑا۔ جس کی قیمت اصل مرکزی ہدف سے توجہ ہٹ جانے کے علاوہ ان استنباط کردہ احکام کی اہمیت کی کمی کی صورت میں ادا کرنا پڑی [۲]

---

[۱] ملا جیون: تفسیرات احمدیہ، ص ۴

[۲] وجہ یہ ہے۔ کہ جو حکم قرآن مجید کی کسی آیت سے ماخوذ ہو، اس کی اہمیت بہر حال بہت زیادہ ہے اور جو حکم حدیث۔ اجماع اور قیاس سے اخذ کیا گیا ہو اس کی حیثیت حکماً اول الذکر سے کم ہے۔

ان حالات کے پیش نظر کچھ مدت سے بار بار یہ خیال ذہن میں آرہا تھا کہ قرآن مجید کے قصص و حکایات پر اس پہلو سے ایک نظر ڈال لی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ملک و قوم کے لیے استنباط اور استخراج مسائل کی بہتر صورت پیدا ہو سکے۔ اور ملک و ملت کے لیے جدید حالات میں تعبیر و تشریح کی نئی راہ تلاش کی جا سکے۔

قرآن حکیم ایسی کتاب ہدایت ہے جس میں ارکان اسلام کی بنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ بے شمار قوموں ان کے انبیاء ان کے بزرگوں اور عام لوگوں کے واقعات کہیں تفصیل اور کہیں اجمال کے ساتھ مذکور ہیں۔ یہ قصص بعض اوقات ایک سے زیادہ مرتبہ دہرائے گئے ہیں اور بعض اوقات ان کو مختلف صورتوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کیا گیا ہے۔ ابن کثیر کی قصص الانبیاء (مطبوعہ بیروت) کے مطابق ۲۵ عدد مختلف انبیاء اور بزرگوں کے قصے بیان کئے گئے ہیں یہ قصص اپنے اندر ایک پوری دنیا سمائے ہوئے ہیں:

ان انبیاء میں سے کسی کا صرف نام اور کسی کا ایک آدھ واقعہ مذکور ہے اور بعض انبیاء کا تفصیل و تشریح کے ساتھ ذکر آیا ہے۔

ہمارا مقصد ان واقعات و قصص پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا نہیں ہے، بلکہ ان واقعات میں مضمر بعض خفیہ باتوں کی طرف توجہ دلانا ہے۔

یہ واقعات ایک ایسی کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔ جو سب سے اہم بالشان کتاب ہے۔ اور جس کی نظیر انسان کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

ان واقعات پر غور و فکر کرتے ہوئے کئی سوالات ذہن میں آتے ہیں۔

۱۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا بحث یہ ہے کہ قرآن عزیز نے ان واقعات کو "قصص" کیوں قرار دیا ہے؟ اور ان کو تمثیل، حکایت یا تاریخ کیوں نہیں کہا؟ ہمارے اس سوال کا جواب خود لفظ قصص میں موجود ہے۔ مثلاً سورۂ یوسف کے آغاز میں ارشاد ہوا ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ	اے پیغمبر ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں ایک نہایت عمدہ قصہ سناتے ہیں اور تم اس

لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ .... [۱] سے پہلے بے خبر تھے ۔

قصّ (ق ۔ص ۔ص) کا یہ مادہ قرآن حکیم میں ہیں کم و بیش ۲۶ مقامات پر اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے جن میں چار مقامات پر اسے بصورت جمع (قصص) لایا گیا ہے ۔ اور باقی مقامات پر اس کے مختلف مشتقات مستعمل ہوئے ہیں ۔

قص (ق ۔ص ۔ص) کے لغوی معنی نشانِ قدم پر چلنے کے ہیں ۔ عربی محاورہ ہے :

قصصت اثرہٗ [۲] "میں اس کے نشانِ قدم پر چلا ۔"

اور قصص (بصورت مصدر) کے معنی نشانِ قدم کے ہیں ۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کے ضمن میں مذکور ہے :

فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا [۳]

پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے دیکھتے واپس لوٹے ۔

اسی طرح حضرت موسیٰ کی والدہ جب اپنی بیٹی (موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ) کو حضرت موسیٰ کے تعاقب میں بھیجتی ہیں ۔ تو اس موقع کے لیے ارشاد ہے :

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ [۴]

اور اس نے اس (موسیٰ) کی بہن سے کہا : اس کے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی ۔

اس جگہ قُصِّیْہِ بھی نشانات قدم دیکھ کر پیچھے پیچھے چلنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے ۔ اسی مادہ سے قصیص کا لفظ بنا ہے جس کے معنی اس باقی ماندہ گھاس کے ہیں ۔ جس سے کسی کا کھوج لگایا جا سکے ۔

---

[۱] یوسف (۱۲ : ۳)

[۲] راغب اصفہانی : مفردات القرآن ، بذیل مادہ ۔

[۳] الکہف (۱۸ : ۶۴)

[۴] القصص ۔ (۲۸ : ۱۱)

لہٰذا جب اس مادہ سے لفظ قصّہ (ج: قصص) بنایا گیا تو اس میں بھی تتبع اور نشانات قدم کی پیروی کا وہ مفہوم ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جو اس مادہ کی بنیادی خصوصیت ہے۔ گویا قرآن مجید نے ان واقعات کو قصص اس لیے قرار دیا ہے۔ کہ

(ا) یہ واقعات اصل حقیقت کے مطابق ہیں۔ ان میں زیب داستان کے لیے نہ تو فرضی کردار اور فرضی واقعات اضافہ کیے گئے ہیں اور نہ ہی ان میں اصل حقیقت سے انحراف و اعتزال اختیار کیا گیا ہے۔ بلکہ جو واقعہ اور قصّہ جس طرح پیش آیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کو اسی طرح بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا چونکہ یہ واقعات اپنی اصل کے مطابق ہیں، اس لیے انھیں اس لفظ سے بیان کیا گیا۔

(ب) ان واقعات میں چونکہ عبرت انگیزی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، جیسے کہ ارشادِ باری ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ	ان کے قصّے میں عقلمندوں کے لیے عبرت
عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا	ہے۔ یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے۔
كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَٰكِنْ	جو اپنے دل سے بنائی گئی ہو، بلکہ جو (کتابیں)
تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے نازل ہوئیں، انکی تصدیق کرنیوالا
وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى	ہے، اور ہر چیز کی تفصیل کرنیوالا اور مومنوں
وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ [1]	کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اور عبرت و بصیرت کا مطلب ہوتا ہے۔ دوسروں کو ان واقعات کے تتبع اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات کی پیروی کی دعوت عمل دینا۔ اور یہ مفہوم جس طرح لفظ قصص سے ظاہر ہوتا ہے۔ عربی زبان کے کسی اور لفظ سے ادا نہیں ہوتا۔ اسی لیے قرآن حکیم ان کے عبرت انگیز پہلوؤں کو بار بار دہراتا ہے۔ ان کا بار بار تذکرہ کرتا ہے۔

ان میں موجود اشاروں کو کھلے اور واشگاف الفاظ میں ظاہر کرتا ہے جس سے اصل مقصد ان واقعات میں مضمر عبرت کے پہلوؤں کی توضیح و تشریح ہے۔

(ج) چونکہ اس میں بیشتر واقعات انبیاء علیہم السلام کے ہیں۔ (جیسا کہ اوپر بیان کردہ

---

[1] یوسف (۱۲ : ۱۱۱)

وضاحت سے ظاہر ہے) تو چونکہ ان کے واقعات بیان کرنے کا ایک مقصد لوگوں کے لیے ان کے اعمال کو بطور اسوۂ حسنہ پیش کرنا ہے ۔ اس لیے ان واقعات کے لیے لفظ قصص استعمال فرمایا گیا ۔ جس میں تتبع اور نشانِ قدم پر چلنے کے معنی نمایاں ہیں ۔ جہاں تک ان واقعات کے اسوۂ حسنہ ہونے کا تعلق ہے ۔ تو وہ اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ	تم (مسلمانوں) کو یعنی جو کوئی خدا کے سامنے
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ	جانے اور روز آخرت کے آنے کی امید رکھتا
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ	ہے ۔ اس کے لیے ان لوگوں کے حالات
الْآخِرَ [1]	میں عمل کا قابل تقلید نمونہ ہے ۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ قصص تو استعمال کیا ہے مگر اس کا واحد (قصّہ) کسی جگہ بھی استعمال نہیں کیا ۔ بظاہر اس کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ چونکہ لفظ قصّہ کا استعمال قدیم زمانہ سے ہی کہانیوں ۔ تمثیلوں اور فرضی واقعات بیان کرنے کے مفہوم میں ہوتا آیا ہے جس سے قصہ گوئی کا فن ایجاد ہوا ۔ اور چونکہ اس میں ہر قسم کی رطب و یابس جھوٹی اور سچی کہانیاں شامل ہیں ۔ اس لیے قرآن مجید نے اس لفظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے ۔ اور اس کے بجائے اس کی جمع " قصص " کا استعمال فرمایا گیا ہے ۔

۳ ۔ قرآن مجید کے بیان کردہ قصّوں کی حکمتیں :

اب ہم اپنے اصل بحث کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے ان واقعات و قصص کو کن مقاصد کے لیے بیان کیا ہے ۔ اس ضمن میں سرسری طور پر تو کئی مقامات پر اس کا ذکر ہوا ہے ۔ مگر سورۂ ہود میں اس بارے میں جو آیت مبارکہ نازل کی گئی ۔ وہ دوسری تمام آیات کی جامع ہے ۔ اس میں ارشاد ہے :

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ	(اے محمدؐ) اور پیغمبروں کے وہ حالات جو
الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ	ہم تم سے بیان کرتے ہیں ۔ ان سے ہم

---

[1] المتحنہ : ٦

وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں۔ اور ان قصص میں تمہارے پاس حق آگیا اور یہ مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔

اسی طرح سورۂ یوسف اور سورۂ الممتحنہ کی مذکورہ بالا آیات میں بھی "قصص القرآن" کی حکمتوں اور مصالح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ان تمام آیات پر غور و فکر کرنے سے اس کے حسب ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

(۱) تثبیتِ فؤاد: (دل کو ثابت قدم رکھنا):-

قرآن حکیم کی داخلی شہادت کے مطابق قصص القرآن کا پہلا عظیم الشان مقصد یہ ہے کہ یہ واقعات "مہبطِ وحی" اور ان کے جانثاروں کے لیے تقویت قلبی اور ان کے ایمان کی پختگی کا باعث ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر افضل الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور ان کے مذہبی مخالفین کے حالات ہر زمانوں۔ اور ملکوں کے اختلاف کے باوجود ہمیشہ یکساں رہے ہیں۔ ہر نبی اور پیغمبر نے ایک ہی طریقے سے ایک ہی کلمے کی دعوت دی۔ ایک ہی دین کی طرف تمام لوگوں کو بلایا۔ ہمیشہ اچھی باتوں کو اپنانے اور بری باتوں کو چھوڑنے کی ہدایت فرمائی، لوگوں کو خدا کے عذاب اور آخرت کے محاسبے سے ڈرایا۔ اپنی مشکلات میں ایک اللہ کو پکارا اور اس کی عبادت و اطاعت۔ اور اسی کی بندگی اختیار کرنے کی تلقین کی جبکہ ان کے مخالفین نے ہر نبی کی مخالفت اور عداوت کا ایک ہی طریقہ اپنایا۔ ایک ہی طرح انبیاء کی تکذیب کی۔ ایک جیسے اعتراضات اور ایک جیسی طعن آمیز باتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات۔ اس کی صفات قیامت اور حشر نشر کے بارے میں ایک ہی انداز اپنایا۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے پہلے لوگ پچھلوں کو بتلا کر گئے ہوں۔ کہ ہم نے انبیاء کو اس طرح ستایا اور جھٹلایا تھا۔ تم بھی ہمارے اسی طریقے کی اتباع کرنا۔ قرآن مجید میں اسی لیے " دلوں کی مشابہت " کا معنی خیز جملہ استعمال کیا گیا ہے: ارشاد ہے:

ل ہود : ۱۲۰

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۔	اور جو لوگ کچھ نہیں جانتے یعنی مشرک ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا ۔ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی انہیں کی سی باتیں کیا کرتے تھے ۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کے سمجھانے کے لیے ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں ۔

اسی طرح سورۂ الزخرف میں ارشاد فرمایا :

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۔ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۔[1]	اور ہم نے پہلے لوگوں میں بہت سے پیغمبر بھیجے تھے ۔ اور کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا تھا ، مگر وہ اس سے تمسخر کرتے تھے ۔ تو جو ان میں سخت زور والے تھے ۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی سنت جاری ہو گئی ۔

یہ مضمون یوں تو اختصار اور اجمال کے ساتھ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر بیان کیا گیا ہے ۔ مگر اس کی جو تفصیل سورۂ ابراہیم میں بیان ہوئی ہے ۔ وہ کسی اور جگہ مذکور نہیں ہوئی ۔ سورۂ ابراہیم کی آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

" بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی نوح ، عاد اور ثمود کی قوم اور جو ان کے بعد تھے ۔ جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے ۔ (جب) ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیے (کہ خاموش رہو) ۔ اور کہنے لگے ۔ کہ ہم تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں

---

[1] الزخرف (۴۳ : ۶ - ۸)

کرتے۔ اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔ ہم اس سے قوی شک میں ہیں
ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) خدا کے بارے میں شک ہے۔ جو آسمانوں اور
زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے۔ کہ تمہارے گناہ بخش
دے۔ اور (فائدہ پہنچانے کے لیے ایک مدت مقررہ تک تم کو مہلت دے۔
وہ بولے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ تمہارا یہ منشا ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے
بڑے پوجتے رہے، ان کے پوجنے سے ہم کو روک دو تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل
لاؤ۔ پیغمبروں نے اُن سے کہا کہ ہاں کہ ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں۔ لیکن خدا اپنے
بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت کا) احسان کرتا ہے اور یہ ہمارے
اختیار کی بات نہیں۔ کہ ہم خدا کے حکم کے بغیر تم کو تمہاری فرمائش کے مطابق کوئی
معجزہ دکھائیں اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور ہم کیونکر خدا پر بھروسہ
نہ رکھیں حالانکہ اس نے ہم کو ہمارے دین کے سیدھے راستے بتائے ہیں، اور جو
تکلیفیں تم ہم کو دیتے رہتے ہو۔ اس پر صبر کریں گے۔ اور اہل توکل کو خدا پر ہی
بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور جو کافر تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ یا تو ہم
تم کو اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ تو پروردگار
نے ان کی طرف وحی کی۔ کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ہم تم کو زمین میں
آباد کریں گے۔ یہ اس شخص کے لیے جو قیامت کے روز میرے سامنے کھڑے
ہونے سے ڈرا۔ اور میرے عذاب سے خوف کرے[1]،

ان آیات سے نہ صرف انبیاء علیہم السلام کے اطوار کی یکسانیت پر۔ بلکہ انبیاء کے مخالفین کے حالات کی یکسانیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ دونوں گروہوں کے حالات میں یکسانیت کا مزید اندازہ ان سورتوں کے خصوصی مطالعے سے کیا جا سکتا ہے۔ جن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات تسلسل سے بیان کئے گئے ہیں، (مثال کے طور پر سورۂ الاعراف، سورۂ ہود

---

[1] ابراہیم۔ (۱۴ : ۹-۱۴)

اور سورۃ الشعراء)) اسی لیے ان سورتوں میں بیان کردہ واقعات کے الفاظ و تراکیب میں بھی بڑی حد تک یکسانیت نظر آتی ہے۔ دونوں جماعتوں کے واقعات میں یکسانیت سے مہبط وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دلی اور قلبی طور پر جو تقویت حاصل ہوتی تھی۔ اس کا سیرت طیبہ کے مطالعے سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جب مسلمانوں کو بتایا جاتا۔ کہ وہ دنیا میں پہلے کلمہ گو نہیں ہیں اور ان کے مخالفین دنیا میں حق اور صداقت کا انکار کرنے والا پہلا گروہ نہیں ہے۔ بلکہ شروع زمانے سے دنیا کی یہی ریت چلی آتی ہے۔ ان کے قلب و باطن پر اس کا گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔ ان کے لیے واقعات کے اس پہلو میں ذہنی اور فکری تقویت کا بھرپور سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔ اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ واقعات اگرچہ پہلی امتوں کے ہیں۔ مگر ان کا تمام اطلاق اس امت پر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں وہی رمز اختیار کی گئی ہے جیسے مولانا روم نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

امر واقعہ یہ ہے۔ کہ مصیبت کے ادوں، دشمنوں کے ستائے ہوئے لوگوں، اپنوں اور بیگانوں کی بے رحمی اور بے حمیتی کا شکار لوگوں کے لیے واقعات کے اس رمزیہ پہلو میں جو فکری وابستگی اور ذہنی پختگی کا سامان موجود ہے۔ وہ کسی اور طرح ہرگز ممکن نہ تھا۔ یہ گویا بات کہنے کا وہ بالواسطہ اسلوب (INDIRECT) ہے۔ جو ہر دور میں فصاحت و بلاغت کی عمدہ وصف سمجھا گیا ہے۔

(۲) مظہر حق ہونا:

قصص القرآن کا جو دوسرا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ وہ "ان واقعات میں حق و صداقت کا اظہار" کا ہونا ہے۔ اور یہ بات اس لیے فرمائی گئی۔ کہ انسان اپنے مذہب اور اپنے دین کے معاملے میں حد درجہ محتاط، اور متشکک واقع ہوا ہے۔ اسی لیے دین اور مذہب کے معاملے میں قدیم دور سے لے کر آج کے اس ترقی یافتہ دور تک ہر زمانے کے لوگوں کے جذبات انتہائی نازک اور حساس واقع ہوئے ہیں۔ انسان دین اور مذہب کے معاملے میں اپنی پرانی قدروں اور روایتوں اور اپنے بزرگوں کے ورثے کو جلدی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس وادی میں

پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے۔ ایک ایک بات کی کھوج لگاتا اور پرکھتا ہے اور جب پوری طرح تشفی ہو جاتی ہے۔ تو تبھی وہ اپنے صدیوں کے پرانے دین سے اپنا رشتہ منقطع کر کے نئے دین و مذہب سے آراستہ ہونے پر آمادہ ہوتا ہے۔

ان حالات میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو "دین حق" کی تبلیغ کرنا شروع کیا، تو فطری طور پر لوگوں کے دلوں میں صدیوں کا تجسس جاگ اٹھا۔ اس تجسس کو دشمنوں نے مخالفت اور رکاوٹ کے نئے طریقے ایجاد کر کے مزید ہوا دی اور لوگوں کے دلوں میں اس نئے مذہب کے جاننے اور اس کی بابت معلومات جمع کرنے کی تحریک پیدا کی۔

قرآن مجید نے لوگوں کے دلوں کے اس تجسس کی ایک طرف تو صاف اور واضح آیات کے ذریعے آبیاری کی۔ اور دوسرے نمبر پر۔ ان کے سامنے سابقہ اقوام اور گذشتہ ملتوں کے حالات تفصیل۔ توضیح اور تشریح اور تکرار کے ساتھ بیان کیے۔ تاکہ وہ اس بات کو اچھی طرح جان جائیں کہ یہ مذہب کوئی نیا مذہب نہیں ہے اور یہ دین کوئی "دین جدید" نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو وہی صاف کھرا اور سچا مذہب ہے۔ جو ہمیشہ سے اس دھرتی کے سینے پر مانا جاتا رہا ہے اور جس کی دعوت سابقہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے علاقے میں دی۔

اس طرح اس پہلو سے جہاں اپنوں کے دلوں میں۔ اس مذہب کی صداقت اور اس کی حقانیت کے پہلو کو راسخ اور مستحکم کیا گیا ہے۔ وہاں مخالفین اسلام کے لیے بھی۔ ان کے شکوک و شبہات کے ازالے کا سامان فراہم کیا گیا ہے:

یہ واقعات ایک اور پہلو سے بھی مظہر حق ہیں وہ یہ کہ۔ انہیں ایک ایسے شخص کی زبان سے سنا گیا ہے۔ جو "امی محض" تھا۔ جس نے کتب سابقہ اور کتب تاریخ کا مطالعہ کرنا تو کجا رہا۔ لکھنے پڑھنے کا بنیادی علم بھی نہیں سیکھا تھا۔ تو ایسے شخص کی زبان سے ان واقعات کی تفصیل کا بیان ہونا۔ اس بات کی حتمی اور ٹھوس دلیل ہے۔ کہ یہ واقعات اس پیغمبر تک بذریعہ "وحی الٰہی" پہنچے ہیں۔ جو آپ کے نبی برحق کی سادہ اور عام فہم دلیل ہے۔

جہاں تک آپ کے اُمّی اور کتب سابقہ سے ناواقف ہونے کا تعلق ہے۔ تو یہ بات سیرت طیبہ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ بایں ہمہ قرآن مجید کے کئی مقامات پر اس کی صراحت

فرمائی گئی ہے۔

سورۃ العنکبوت میں فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ	اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔
مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ	اور نہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی سکتے
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ	تھے۔ ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور ہی شک
بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ	کرتے۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں
فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ	کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں محفوظ ہیں۔
اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ	اور ہماری آیتوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔	جو ظالم ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ان واقعات وقصص سے پیغمبر کے ناواقف ہونے کا یوں ذکر فرمایا گیا:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ	یہ حالات منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔
نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ	جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے
تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ	پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری
قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ	قوم ہی اُن سے واقف تھی۔ تو صبر کرو (اچھا)
الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔	انجام پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

الغرض یہ بات تاریخ کے ناقابلِ تردید حقائق اور مسلمات میں سے ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً کتابی علم نہ رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود آپ نے کتبِ سابقہ کے واقعات نہ صرف ٹھیک ٹھیک بیان کئے۔ بلکہ کتبِ سابقہ میں جو ان واقعات کے بیان میں اُونچ نیچ یا افراط و تفریط ہوئی تھی۔ اس کو بھی بے نقاب کیا ہے۔

۱؎ العنکبوت۔ (۲۹ : ۴۸-۴۹)

۲؎ ہود : (۱۱ : ۴۹)۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ کتب سابقہ میں ان کا ذکر حسب ذیل کتب میں مرقوم ہے:

ا ۔ توریت ۔

ب ۔ انجیل ۔

ج ۔ زبور اور امثال سلیمان ۔

د ۔ صحف انبیاء ۔

ھ ۔ یہود کی تاریخی روایات ، جس کا مجموعہ تالمود ہے ۔

و ۔ تاریخ عالم کے مخفی حقائق ۔ جو نہ کتب سابقہ میں مذکور ہیں اور نہ کتب تاریخ میں ۔
مثلاً واقعہ ذوالقرنین ، اور سد ذوالقرنین وغیرہ ۔

ز ۔ اس کے علاوہ بے شمار مآخذ ۔

اس یہ بات اظہر من الشمس ہے ۔ کہ جو شخص تحریر و کتابت کے ابجد سے بھی واقف نہ ہو وہ ان واقعات کو اس شرح و بسط اور تفصیل و تشریح اور گہرائی کے ساتھ کیونکر بیان کر سکتا ہے پھر قرآن مجید کا اسلوب بیان ایسا ہے ۔ جیسے یہ تمام واقعات بیان کرنے والے کی آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہو رہے ہیں ۔ وہ ان میں انتخاب کر کے ۔ جسے چاہتا ہے ۔ بیان کر رہا ہے اور جسے چاہتا ہے چھوڑ رہا ہے ۔ جسے چاہتا ہے ۔ نمایاں کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دھیمے انداز میں بیان کر دیتا ہے ۔ اور یہ بات ایک سامع کو تو کجا ان کتب کے بڑے بڑے ماہرین کو بھی میسر نہیں آ سکتی ۔ جس کا حل اس کے سوا اور کچھ نہیں ۔ کہ اس کتاب کو اس کے نازل کرنے والے کے حوالے سے دیکھا اور سمجھا جائے ۔ اس طرح قصص القرآن کا یہ بیانیہ انداز بھی اس کے برحق ہونے کی زبردست دلیل ہے :

۳ ۔ موعظہ و ذکریٰ :

موعظہ اور ذکرای کے الفاظ قریب قریب مترادف ہے ۔ قریب قریب اس لیے کہ لغوی طور پر دونوں کے مفہوم میں تھوڑا بہت فرق موجود ہے ۔ مثال کے طور پر موعظہ کا مطلب ہے : وعظ و نصیحت اور " ذکرای " سے " یاددہانی " مراد ہے ۔

نزول قرآن حکیم کے جو مقاصد خود قرآن حکیم میں مذکور ہوئے ہیں ۔ ان میں اس کا موعظہ ، ذکرای ہونا بھی ہے ۔ چنانچہ سورۂ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ
مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ
لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَ
رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ [1]

اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے پروردگار
کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی شفا آگئی
ہے ۔ اور مومنوں کے لیے ہدایت اور
رحمت (آپہنچی) ہے ۔

جبکہ اس کے ذکرای ۔ یعنی نصیحت نامے اور یاد دہانی ہونے کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے ۔

مثلاً سورۃ عنکبوت میں ارشاد ہوا :

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى
لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ [2]

کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے ۔
کہ ہم نے تم پر کتاب کی ہے ۔ جو انکو پڑھ
کر سنائی جاتی ہے ۔ کچھ شک نہیں کہ مومنوں
کے لیے اس میں رحمت اور نصیحت ہے ۔

گویا موعظہ اور ذکرای ہونا قرآن کریم کے اوصاف میں سے ایک اہم وصف ہے ۔ اور قرآن حکیم میں ۔ اس لیے پیغمبروں اور سابقہ اقوام کے واقعات بیان کرنے کے مقاصد میں بھی ۔ اسے نمایاں اہمیت دی گئی ہے ۔

یہاں "قصص القرآن" کے متعلق ایک اہم اصول کا علم ہوتا ہے ۔ کہ قرآن حکیم میں گذشتہ قوموں اور ان کے پیغمبروں کے جو واقعات اور قصے بیان کیے گئے ہیں ، ان کے ذکر و بیان کا مقصد تاریخی اور تحقیقی طور پر ان واقعات کی تشریح نہیں ہے اور قرآن مجید میں اس کا کسی جگہ بھی دعویٰ نہیں کیا گیا ۔ بلکہ ان واقعات اور قصوں کے یہاں لانے کا مقصد ان واقعات اور قصوں میں ان کے عبرت و نصیحت ہونے کے پہلوؤں کو نمایاں کرنے اور ان سے بعد کے لوگوں کے لیے

---

[1] یونس : (۱۰ : ۵۷)

[2] العنکبوت : (۲۹ : ۵۱)

عبرت اور بصیرت کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اور یہ بات تاریخی اور تحقیقی کتابوں میں مفقود ہوتی ہے۔

پھر چونکہ ان واقعات کے بیان کا مقصد ہی عام کتابوں سے مختلف ہے۔ اس لیے یہاں اس کے بیان کرنے کا اسلوب و انداز بھی دوسری کتابوں سے مختلف ہے۔

اسی لیے ان قصّوں میں بعض مقامات پر تاریخی ترتیب اور تاریخی تسلسل برقرار نہیں رکھا گیا۔ واقعات بیان کرتے ہوئے ان کے مقامات کی۔ ان کے زمانوں کی۔ اور اسی طرح کی دوسری ضروری باتوں کی تفصیل دانستہ طور پر نظر انداز کر دی گئی۔

اس تفصیل سے مغرب کے اس پروپیگنڈے کی نفی ہو جاتی ہے۔ جو اس نے محض کم علمی یا اپنے تعصّب کی بنا پر قرآنی قصّوں کے خلاف عرصۂ دراز سے جاری رکھا ہوا ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ چونکہ (معاذ اللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصّے اہل کتاب سے سُنے تھے۔ (اگرچہ وہ اپنی تمام مکروہ کوششوں کے باوجود اُس شخص کا نام نہ بتا سکے۔ جو بقول ان کے قرآن مجید کے قصّوں کا مآخذ تھا)۔ اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات کے بعض کرداروں، ان کے زمانوں اور ان کے مقامات کا ذکر نظر انداز یا گول مول بنا کر دیا تھا۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر قرآن مجید میں ان واقعات کو واقعات نگاری کے مسلّمہ تاریخی اور تحقیقی اصولوں کے مطابق بیان کیا جاتا۔ تو یہ واقعات ان عظیم الشان اور بے مثل نتائج کے کبھی حامل نہ ہوتے۔ جو اس کتاب مبین کے ان۔ واقعات نے صدیوں پر پھیلی انسانی تاریخ کے ہر دور میں یکساں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ گویا جس بات کو دشمنان اسلام قرآن مجید کا عیب سمجھ کر بیان کر رہے ہیں۔ وہی ان نادانوں کو کیا علم۔ کہ قرآن مجید کا سب سے بڑا وصف اور سب اہم معجزہ وہی ہے۔ اور یہ کہ یہ واقعات نزول قرآن کے مقاصد کے عین مطابق ہیں۔

قرآن فہمی کے اس میدان میں مغرب کے اندھے پن کی ایک بنیادی وجہ۔ ان کے تعصب کے علاوہ ۔ یہ ہے۔ کہ انہوں نے آسمانی کتابوں کے نام پر جو کتابیں دیکھی اور پڑھی ہیں۔ وہ در اصل یا تو محض انسانوں، قبیلوں اور خاندانوں کی تاریخ ہیں۔ یا پھر صرف خشک احکام کا مجموعہ ہیں یا امثال سلیمان اور زبور کے گیتوں کی طرح محض شاعرانہ خیالات کا موقع ہیں قرآن جیسی جامع کتاب اول تو انھیں دیکھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ موقعہ ملتا ہے۔ تو اس وقت ان کی آنکھوں پر تعصّب

اور اسلام دشمنی کی پٹی بندھی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن مجید سے اسکی تمام تر ہدایت آفرینیوں کے باوجود۔ ان کے دلوں کے بند دریچے نہیں کھلے اور ابھی تک ان کے دل و دماغ صمّ بکم عمیٌ کی مجسّم تصوّیر نظر آتے ہیں۔

القصّہ۔ چونکہ قرآن مجید میں مذکورہ واقعات اور قصص کا مقصد ہی موعظہ و ذکرای ہے۔ اور اس کا مقصد تاریخی گتھیوں کو سلجھانا یا تحقیق و تفتیش کی گمشدہ کڑیوں کو تلاش کرنا نہیں ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں مذکورہ واقعات میں حسب ذیل باتوں کا التزام نظر آتا ہے۔

۱ - یہ واقعات اور قصّے صداقت اور سچائی کے اعلیٰ معیار کے حامل ہونے کے باوصف انہیں تاریخی اور تحقیقی اصولوں کے مطابق بیان نہیں کیا گیا۔

۲ - انبیاء علیہم السلام اور بعض دیگر مشہور و نامور ہستیوں کے ذکر و بیان کے علاوہ اکثر جگہ متعلقہ کرداروں کے نام بیان نہیں کیئے گئے۔ مثال کے طور پر۔ حضرت یوسف کے بھائیوں۔ ان کی والدہ، امرۃ العزیز اور اسی طرح اس قصّے میں مذکور دیگر کرداروں کے نام۔

حضرت نوح کے ہلاک ہونے والے اور زندہ بچنے والے بیٹوں کے نام۔

حضرت لوط کی اولاد کی تفصیل اور ان کی کافر و مشرک بیوی کا نام۔

حضرت موسیٰ کی والدہ۔ ان کی بہن اور دیگر متعلقین کے نام وغیرہ۔

۳ - انداز بیان "موعظہ و ذکرای" کے اسلوب کا حامل ہے۔ اسی لیے بعض ضمنی باتوں کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ اکثر مقامات پر واقع کو درمیان میں چھوڑ کر۔ موعظہ و ذکرای پر بحث شروع کر دی گئی ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ قرآن مجید کا مقصد کسی واقع کی مجمل یا مفصل تفصیل بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اس مواقع میں چھپی ہوئی بصیرتوں اور مخفی حقائق کو بے نقاب کرنا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر یہ اسلوب بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔

(۴) احکام و مسائل کا استنباط:

اس کے ساتھ ہی "قصص القرآن" کا ایک اہم مقصد انبیاء کے واقعات کے ضمن میں، ضمنی اور تبعی طور پر مختلف احکام و مسائل کے استنباط و اجتہاد کی طرف توجہ دلانا بھی ہے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم دوسری کتابوں سے مختلف کتاب ہے۔ اس کے ہر ہر لفظ میں قوم و

ملت کے لیے " عبرت پذیری اور حکمت و موعظہ کے ساتھ ساتھ ، زندگی بسر کرنے کے اسلوب کی طرف بھی بہترین اور خوبصورت ترین طریقے پر رہنمائی کی گئی ہے ، جس کا تقاضا یہ ہے ۔ کہ اس کی ہر ایک آیت اس کے ہر ایک جملے اور ہر ایک لفظ پر غور و فکر کیا جائے ۔ اور اس سے امت مسلمہ کے لیے رہنمائی اور ہدایت آفرینی کا جو پہلو واضح اور مترشح ہوتا ہو ، اسے بھرپور اور جامع طریقے سے ملحوظ رکھا جائے ۔ چنانچہ اس پہلو سے ۔ جب ہم " قصص القرآن " پر نظر ڈالتے ہیں ، تو ہمیں ان واقعات کے ضمن میں " بے شمار " احکام و مسائل کا ذکر ضمنی اور تبعی طور پر ملتا ہے ۔ جو امت مسلمہ کی ہدایت آفرینی کا ذریعہ ہے ۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ، ان قصص میں احکام و مسائل کا ذکر ضمنی اور تبعی طور پر ہوا " اصلاً " اور مقصوداً " نہیں ۔ اس لیے مناسب ہوگا ۔ کہ ہم اخذ احکام کے ان طریقوں پر بھی ۔ ایک نظر ڈال لیں ۔ جو فقہاء نے " اصولی طور پر " ، تجویز اور متعین کئے ہیں :

دلالات کی اقسام اور اخذ احکام کے طریقے :

حنفی فقہاء کے ہاں دلالتوں کی چار اقسام ہیں اور اخذ احکام کے چار طریقے ہیں ۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱ ۔ دلالۃ العبارۃ :

دلالت العبارۃ سے مراد

دلالۃ اللفظ علی المعنی المتبادر منہ[۱] کسی لفظ کے اسکے معنی متبادر پر دلالت کرنا ، ہے ۔ اور اس کے " معنی متبادر " سے مراد ایسا معنی ہے ، جو اُس لفظ سے نصاً سمجھا جائے ۔ یا ظاہراً ۔ اور خواہ وہ معنی " محکم " ہو ، یا غیر محکم[۲]

دلالت کی یہ قسم سب سے زیادہ واضح ، صریح اور مستند ہے ، اور اس نوع سے اخذ کردہ احکام دوسری اقسام و انواع سے زیادہ مدلل ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ارشاد مبارک ہے :

---

۱ علی حسب اللہ : اصول التشریع الاسلامی ، ص ۲۲۳

۲ محمد ابوزہرہ : اصول الفقہ ، ص ۱۳۹

وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ[1] اور تم لوگ جھوٹے قول سے بچو۔

یہ اس ارشاد مبارک کی دلالت العبارۃ "، سے یہ بات سمجھی جا رہی ہے۔ کہ" جھوٹی گواہی دینا جرم ہے"

۲ - دلالۃ الاشارۃ : (یا اشارۃ النص)

دلالۃ الاشارۃ سے مراد :

ما یدل علیه اللفظ بغیر عبارته[2] وہ معنیٰ جس پر کوئی لفظ اس کی عبارت کے بغیر دلالت کرے۔

ہے۔ یعنی کوئی ایسی بات یا ایسا حکم۔ جو کسی عبارت اور الفاظ کے اشارے سے سمجھا جائے۔ اور ایسے عبارت میں مقصود بالذات کے طور پر بیان نہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر، قرآن مجید میں ارشاد باری ہے :

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔[3] اور بچے کے باپ پر، عورتوں کا کھانا اور ان کا لباس ہے۔ معروف طریقے پر،

کہ اس آیت سے اصل مقصد یہ بتلانا ہے۔ کہ بچے کے نان و نفقہ کی اصل ذمہ داری اس کے والد پر ہے۔ مگر اس کے اشارے سے ضمنی طور پر یہ بات بھی واضح اور ثابت ہوتی ہے کہ بچے کا سلسلۂ نسب اس کے والد کے ساتھ جا کر ملتا ہے[4] علیٰ ہذا القیاس اس قسم کے بے شمار احکام اور مسائل ہیں، جو ضمنی اور تبعی طور پر سمجھے گئے ہیں۔

۳ - دلالۃ الدلالۃ (یا دلالۃ النص)

دلالۃ الدلالۃ (دلالۃ النص) سے مراد :

---

[1] الحج (۲۲ : ۲۹)

[2] اصول الفقہ، از محمد ابو زہرہ، ص ۱۴۰

[3] البقرہ (۲ : ۲۳۳)

[4] علی حسب اللہ، ص ۲۲۵

دلالۃ اللفظ علی تعدی حکم المنطوق بہ الی مسکوت عنہ۔[1] — لفظ سے اخذ شدہ حکم کو، مسکوت عنہ (غیر بیان شدہ) حکم تک ممتد اور وسیع کرنا۔

مثلاً۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

اما یبلغن عندك الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما۔[2] — اگر والدین میں سے کوئی ایک، یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں، تو انھیں اُف بھی نہ کہو اور نہ انھیں ڈانٹو...

کہ اس آیت کی صراحت سے والدین کو "اُف" نہ کہنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ جو آیت مبارکہ کی دلالۃ العبارۃ کا مفہوم ہے، لیکن "اُف نہ کہنے" پر جب از روئے لغت غور کیا گیا۔ تو اس سے ثابت ہوا، کہ اس سے ممانعت کی وجہ ان کی "ایذا رسی"، ہے۔ لہٰذا اس آیت کی روشنی میں ہر اُس بات کی ممانعت ہوگی، جو والدین کی اذیت اور تکلیف کا باعث بنتی ہو۔

۴ - دلالۃ الاقتضاء: (یا اقتضاء النص):

دلالت کی چوتھی قسم دلالۃ الاقتضاء ہے۔ جس سے مراد

دلالۃ الکلام علی مسکوت عنہ یتوقف صدق الکلام علی تقدیرہ او لا یستقیم معناہ الا بہ۔[3] — کسی عبارت کا ایسے مسکوت عنہ (غیر بیان شدہ) حکم پر دلالت کرنا۔ جس پر۔ اس عبارت کی صحت موقوف ہو، یا پھر اس کو مانے بغیر اس عبارت کا مفہوم درست اور صحیح طریقے پر ادا نہ ہوتا ہو۔

اس دلالت کی آگے چار اقسام ہیں:

---

[1] علی حسب اللہ، ص ۲۲۶

[2] ایضاً: ۲۲۸

[3] ایضاً: ۲۲۸

۱۔ جس کو مقدر سمجھنا، اس عبارت کی سچائی کے لیے ضروری ہو جیسے کہ ارشاد نبوی ہے:
رفع عن اُمتی الخطاء — میری اُمت سے خطا اور نسیان اور جس پر کسی
والنسیان وما استکرھوا علیہ[۱] — کو مجبور کیا گیا ہو، اس کا گناہ اٹھا لیا گیا۔
کہ اس عبارت کی صحت "اثم الخطاء والنسیان" (خطا اور نسیان کا گناہ) کے مقدر سمجھنے پر موقوف ہے۔

۲۔ وہ لفظ، جس کا سمجھنا، صحت کلام کے لیے عقلی طور پر موقوف ہو، مثلاً ارشاد باری:
واسئال القریۃ — اور بستی سے پوچھیے
میں القریہ سے مراد "اہل قریہ" ہیں[۲]۔

۳۔ وہ لفظ جس پر، صحت کلام، شرعی طور پر موقوف ہو، مثال کے طور پر، ارشاد باری ہے:
فاتباعٌ بالمعروف واداءٌ — پس معروف طریقے پر پیروی کرنا اور عمدہ
الیہ باحسانٍ[۳] — طریقے پر ادائیگی کرنا ہے۔
یہ بات اُس وقت تک درست اور جائز نہیں، جب تک قتل کا معاوضہ "بالمال" نہ ہو[۴]۔

شوافع کی تقسیم:

یہ تقسیم حنفی علماء نے لکھی ہے۔ رہی شوافع، تو ان کی تقسیم حسب ذیل ہے:

۱۔ دلالۃ المنطوق: جس سے مراد لفظ کا اپنے "وضعی معنی"۔ یا اس کے ایک حصے یا اس کے کسی التزامی مفہوم پر دلالت کرنا ہے۔
پھر اگر لفظ اپنے تمام وضعی معنی یا اس کے حصے پر دلالت کرے تو سے دلالت صریحی کہتے ہیں یا دلالت لفظی، اور اگر وہ اپنے لازمی معنی پر دلالت کر رہا ہو۔ تو اسے "دلالت غیر صریحی کہتے ہیں

۱۔ علی حسب اللہ، ص ۲۲۸
۲۔ ایضاً: ۲۲۹
۳۔ البقرہ: (۲:)
۴۔ محمد ابوزہرہ، ص ۱۴۴

جس کی دو انواع ہیں :

اولاً : جو لفظ سے مقصود ہو۔

ثانیاً : جو لفظ سے غیر مقصود ہو[1]

۲ ۔ دلالۃ المفہوم :

شوافع کے نزدیک دلالت کی دوسری قسم دلالۃ المفہوم ہے، جس سے مراد کسی لفظ کا غیر منطوق حکم پہ دلالت کرنا ہے، خواہ وہ حکم منطوق کے موافق ہو، یا اس کے مخالف۔

اگر تو اس کے موافق ہو، تو سے مفہوم الموافقت یا "محوای الخطاب" کہا جاتا ہے اور اگر وہ اس کے مخالف ہو، تو سے مخالفت یا دلیل الخطاب کہتے ہیں[2]

قصص القرآن سے استنباط :

جہاں تک قصص القرآن سے ضمنی اور تبعی طور پر استدلال و استنباط کا تعلق ہے، تو یہ استدلال و استنباط حنفی تقسیم کے مطابق عبارۃ النص (دلالۃ العبارۃ) سے اور شافعی تقسیم کی رو سے دلالۃ المنطوق کے ذریعے تو ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ قصص القرآن کی دلالت العبارۃ اور دلالۃ المنطوق تمام و کمال واقعات و حکایات بیان کرنے تک محدود ہے۔ البتہ حنفی تقسیم کے مطابق دلالۃ الاشارۃ، دلالۃ الالالۃ اور دلالۃ الاقتضاء کے ذریعے اور شافعی تقسیم کی رو سے دلالۃ المفہوم اور اس کی ذیلی اقسام وغیرہ کے ذریعے قصص القرآن سے اخذ و استنباط ممکن ہے۔

---

[1] علی حسب اللہ : ص ۲۳۴ - ۲۳۵

[2] ایضاً